ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا عبید اللہ انور

30/19



وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ
تمہارا رزق آسمان میں ہے اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

○ دیتا ہے!
○ دے گا!
○ دیتا رہے گا!
اللہ

۱۶ نومبر ۱۹۸۴ء
مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان
۲/- روپے



انتظار حسین اسعد قادری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰہَ یَغْضَبُ عَلَیْہِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث پاک کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ہر انسان ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بعض ضروریات بن مانگے پوری کر دی ہیں۔ مثلاً ہاتھ پاؤں، آنکھیں، کان بقیہ جسم اور اس کے لئے آب و ہوا اغذیہ وغیرہ اور بعض اشیاء ایسی ہیں کہ مرور اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورت درپیش آتی ہے۔ ان کے حصول کے لئے پروردگار عالم نے دو ضابطے رکھے ہیں۔ پہلا ضابطہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سابقہ قوتوں کو کام میں لائے ہاتھ پاؤں ہلائے۔ محنت اور مشقت کرے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمانِ خداوندی ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے اور کسب کیا ہے اور دوسرا ضابطہ محنت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اپیل ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے یہی دو طریقے رہے ہیں اور ان کے ذریعہ بقیہ نسل انسانی تک ان دو طریقوں کو پہنچایا گیا ہے اب اگر کوئی شخص مندرجہ بالا دونوں طریقوں کو نہیں اپناتا ہے یا صرف ایک طریقہ اپناتا ہے دوسرا نہیں اپناتا یعنی محنت کرتا ہے دعا نہیں کرتا تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی اترتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی دنیوی اور اُخروی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ ایسا شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور بے نیاز سمجھتا ہے اس لئے مانگنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور بعض لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے بلکہ اہل قبور کے پاس جا کر اپیلیں کرتے ہیں انہیں سجدے کرتے ہیں ان کے نام کی نذریں نیازیں دیتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپیلیں منظور کروا دیں۔ ایسے نظریات اور افعال شرکیہ ہیں۔ اسی وجہ سے یہود ونصاریٰ پر غضب نازل ہوا اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بددعا منظور ہونے میں تو کوئی شک نہیں مقامِ غور یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں پر سجدہ کرنے والا اور ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دینے والا ملعون کیوں نہیں ہوگا!

خط وکتابت
کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے ورنہ تعمیل نہ ہو گی۔ (منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

جلد ۳۰ شمارہ ۱۹

رئیس الادارہ
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
عبدالرشید انصاری
ظہیر میر ایڈووکیٹ
انتظار حسین اسعد قادری

بدل اشتراک
فی کاپی: -/۲ روپے

پاکستان میں بذریعہ ڈاک
سالانہ ۵۲ شمارے -/۸۰ روپے
ششماہی ۲۶ شمارے -/۴۵ روپے



نقطۂ نظر

مولانا ضیاء القاسمی اور دیگر علماء کی گرفتاریاں

یہ کن ناکردہ گناہوں کی سزا ہے

فیصل آباد پولیس نے گزشتہ دنوں مولانا محمد ضیاء القاسمی اور ان کے دو رفقاء کو گرفتار کر لیا ان کی گرفتاری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت فیصل آباد کے اس جلسۂ عام سے قبل رات کو عمل میں آئی جس میں وہ خطاب کرنے والے تھے۔ قبل ازیں مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا اللہ یار ارشد اور کراچی کے علماء خصوصاً مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا اسفند یار خاں، مولانا محمد زکریا، مولانا محمد آصف قاسمی، مولانا فیض محمد فیض نقشبندی اور دیگر علماء کرام جیلوں میں پہنچ چکے تھے۔ اطلاعات کے مطابق ارباب اختیار کا رویّہ علماء کے ساتھ ان کے شایان شان نہیں۔ بہت سے مذہبی کارکن شدید ذہنی دباؤ میں ہیں یہ عجیب ستم رانی ہے کہ اصحاب حل و عقد مختلف حیلوں بہانوں سے علماء حق کو اپنی نام نہاد غیر جانبدارانہ قیام امن کی کوششوں کا تختۂ مشق بناتے رہتے ہیں، ایک طرف تو ایران اقتدار سے اسلامی معاشرہ کے قیام کے دعووں کا تسلسل ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا اور دوسری جانب عقیدہ ختم نبوّت اور عظمتِ اصحابِ رسول کا تحفظ اور دفاع کرنے والوں کو جیلوں میں جرائم پیشہ افراد کے ساتھ بند کیا جاتا ہے۔ جرم کوئی کرتا ہے پکڑا کسی کو جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں علماء کرام، دینی رہنماؤں اور ان کے رفقاء کی فی الفور رہائی عمل میں آنی چاہئے کیونکہ ایسے اقدامات سے عوام میں بے چینی پیدا ہوتی ہے اور حکومت کی نیک نامی میں اضافہ نہیں ہوتا۔

نظام العلماء پاکستان کے مرکزی نظام شریعت کنونشن نے بھی ایک قرارداد میں علماء کرام کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔

●

ناشر: مولانا عبید اللہ انور • مقام: دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور • مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور



نغمۂ صلِّ علیٰ

حبیب اسلامپوری

راہِ الفت کے شہیدوں کو یہاں زندہ پایا
عشقِ احمدؐ میں وفا کیشوں کو فرخندہ پایا

نسبتِ عشقِ پیمبرؐ سے ملی توقیر ہمیں
خاک کے ذرّوں کو خورشید سا تابندہ پایا

اُنؐ کے فرمان میں مضمر ہے زیارت کی نوید
جس نے سنّت کو کیا زندہ مجھے زندہ پایا

اُن کی سیرت پہ شہادت ہے یہ قرآنِ جلیل
چلتا پھرتا ہُوا قرآن درخشندہ پایا

کتنی صدیوں سے سِسکتے ہوئے انسانوں نے
مانگتے مانگتے اک نجات دہندہ پایا

ہمزباں قدسی بنے جب چھڑا ذکرِ جمیل
نغمۂ صلِّ علیٰ زندہ و پایندہ پایا

رنجشیں شیریں مقالی سے سبھی دُور ہوئیں
دشمنوں نے بھی اُنہیںؐ احسان کنندہ پایا

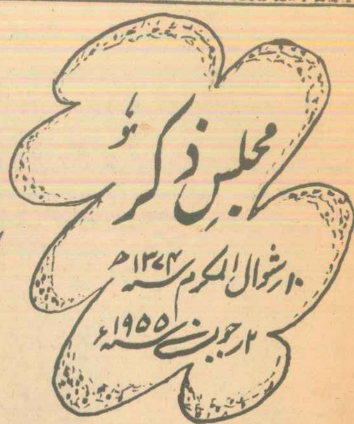
کالی کملی میں چھپا لیں گے ہمیں سرورِ عالمؐ
فردِ عصیاں لئے ہاتھوں میں جو شرمندہ پایا

خلوتیں مہکتی ہیں اُنؐ کی حسیں یادوں سے
سرمدی کیف میں ہر نعت نویسندہ پایا

مِل گئی دولتِ کونین گداؤں کو حبیبؔ!
بادشاہوں کو فقیروں کا جویندہ پایا!



حضرت لاہوریؒ نے فرمایا:



کامل کی صحبتؒ کا اثر

ہم اس حلقہ ذکر میں اللہ کا نام لیتے ہیں اصل میں یہ حلقہ ان احباب کے لیے ہے جنہوں نے قادری خاندان میں میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کے علاوہ اور دوست بھی آتے ہیں۔ چشم ماروشن دل ماشاد جس کا دل چاہیے شامل ہو ہم کسی کو روکتے نہیں ہیں وقتاً فوقتاً خاص احباب کے لیے عرض کرتا رہتا ہوں تاکہ اس سے ان کو کچھ فائدہ ہو اور وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ بیعت لینے والا بھی ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو ایسا راستہ سمجھائے۔ کہ وہ جہنم سے بچکر جنت میں پہنچ جائیں۔ بیعت [illegible] عہد کرتا ہے اور شیخ۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم تبلائے گا ان پر عمل کروں گا۔

امراض روحانی کا علاج صحبت شیخ کے سوا کچھ نہیں، کتابیں پڑھنے سے یہ دور نہیں ہوتے۔ دینی مدارس میں کتابوں پر عبور ہو جاتا ہے مگر تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لیے علماء کی بھی کماحقہٗ اصلاح نہیں ہوتی۔ بعض امراض روحانی جسمانی امراض سے زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جسمانی بیماریاں تب سے ورے ختم ہو جاتی ہیں روحانی بیماریاں ساتھ جاتی ہیں، زمینداروں، تاجروں اور سرکاری ملازمین کو تو جانے دیجیے۔ اہلِ علم بھی ان سے نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ خاص اہتمام نہ کریں۔ مدارس عربیہ میں طلبہ کو علم دانستن کے درجہ پر حاصل ہوتا ہے۔ داشتن کے درجہ پر نہیں یعنی دین سمجھ کر آتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جن پر دین کا عملی رنگ چڑھا ہوا نہیں ہوتا اس لیے علماء کے اندر بھی روحانی بیماریاں باقی رہتی ہیں جب تک اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو۔ نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس کے سوا باقی تمام کمالات نبویؐ کے حاملین اب تک رہے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انہیں کی صحبت میں اصلاح احوال ہوتی اللہ والے موتیوں سے بھی گراں قیمت ہیں۔ موتی ملنے ارزاں لیکن اللہ والے ملنے گراں۔ وہ نایاب نہیں کم یاب ہیں اور کامل مل جاتے تو اس کے قلب سے ادب، عقیدت اور اطاعت کی تین "تاریں" جوڑنے سے فائدہ ہوتا ہے ان کے بغیر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہنے والے بھی محروم رہے جن کو آنحضرتؐ کا نہ پاس ادب تھا نہ عقیدت تھی۔ اور نہ اطاعت کرتے تھے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی تھے۔ مدینہ منوّرہ کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک شخص مرا تو آپؐ نے نماز جنازہ خود پڑھائی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہُوا۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (سورۃ التوبہ رکوع نمبر ۱۰) منافقین مسجد نبویؐ میں تین نمازیں با جماعت پڑھتے تھے مگر ان کی نمازوں کے متعلق ارشاد باری ملاحظہ ہو: وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (سورۃ النساء رکوع ۱۸) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافقین کا پتہ لگانا ہو تو فجر اور عشا میں دیکھ لیا کریں۔ ان دونوں نمازوں میں وہ غیر حاضر ہوں گے۔ مسجد نبوی کے ایک حصّہ کے متعلق آنحضورؐ کا ارشاد ہے: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔

منافق وہاں بھی نماز پڑھتے رہے ہوں گے لیکن چونکہ ادب عقیدت اور اطاعت نہ تھی اس لیے جہنم کا ایندھن بنے۔

میرے دو مربّی ہیں۔ مخدومنا حضرت خلیفہ غلام محمد صاحبؒ دین پوری، اور مخدومنا حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ امروٹی، حضرت دین پوریؒ میری بیعت کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے مگر میں نے انہیں کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ شیخ کامل اور طالب صادق کا دل را بدل رہے است والا معاملہ ہوتا ہے ان کے جوتوں کی خاک سے بہت کچھ ملا۔ اس لیے میرے دل میں ان کی بے حد قدر ہے۔ میرا فرض ہے آپ کو توجہ دلانا اور آپ کا فرض ہے عمل کرنا۔ روحانی بیماریوں کا علاج قرآن میں ہے۔ لیکن اس کے لیے کامل کی صحبت کی ضرورت ہے اگر ان سے شفا ہو گئی تو قبر بہشت کا باغ بن جائے گی ورنہ جہنم کا گڑھا ہوگی۔ ان بیماریوں میں سے ایک کبر ہے کبر کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس کے دل میں ذرا سا تکبّر ہوگا وہ بہشت میں نہ جائے گا۔ صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ حق کا انکار اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا یہ کبر ہے۔ اللہ والوں کی صحبت میں کبر نکل جاتا ہے وہ ہستی مسَل کر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا ○

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر انانیت نہ تھی۔ آپؐ کی صحبت میں صحابہؓ کے اندر نہ رہی۔ حضرت عمرؓ کا درجہ ملاحظہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے لیکن چونکہ ہستی فنا ہو چکی ہے اس لیے حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام منافقین کی فہرست میں تو نہیں؟ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر فرنگ ملحد اور زندیق کو انسان اپنے سے بدرجہا بہتر سمجھے۔ یہ ان کا حال ہے ان کی ہستی فنا تھی۔ اس قسم کے اللہ کے بندوں کی صحبت میں ہستی فنا ہوتی ہے۔

ع صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی مری مٹا دے خاک بے جان کر دے

ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ انا بھی ہو اور اللہ بھی ہو یہ ناممکن ہے انا مرتی ہے، تو رنگ چڑھتا ہے۔

آنچہ از دل مے خیزد و بر دل مے ریزد

ایک دفعہ نواب بہاولپور نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا خیال ظاہر کیا تو کئی مقامات سے دعوت نامے آئے میرے دادا پیر حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ کی طرف سے دعوت نامہ تو نہ آیا، مگر وزیر صاحب خود ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وزیر صاحب فقیر خود بہاول پور چلے گا اونٹ پر ایک دیگ لاد کر لے جائیگا جو رزق اللہ دے گا اس میں سے سب کھائیں گے۔ نواب صاحب کی دعوت نہ کھائیں گے پھر فقیر نواب صاحب سے جو کہے گا وہ کانوں سے گذر کر نواب صاحب کے دل پر پڑے گا۔ نواب صاحب کی آنکھیں کھلیں گی۔ پھر وہ آپ سے ریاست کا حساب لیں گے اور آپ ان کو زہر دے کر ماریں گے نتیجہ یہ نکلے گا کہو تو بندہ حاضر ہے۔ وزیر صاحب نے ہاتھ جوڑے اور کہا کہ ایسا پیر ہمیں نہیں چاہیئے۔ میں نے صرف ایک بیماری کا ذکر کیا ہے ورنہ روحانی بیماریاں بیشمار ہیں۔

ع نفس ہایاں کمتر از فرعون نیست
لیک اوراعون ماراعون نیست

بعض اوقات گدڑی میں لعل ہوتے ہیں:

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس قسم کے لوگوں کی دل آزاری کرنے سے بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ روحانی بیماریاں صحبت کے بغیر نہیں نکلتیں۔ — حضرت امروٹیؒ کی نظیر نہ تب تھی اور نہ اب ہے۔ ایک دفعہ ایک پولیس انسپکٹر آپ کے ہاں آیا۔ اور عرض کی کہ حضرتؒ، کپتان پولیس نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ اپنی سواری کا گھوڑا قیمتاً مجھے دے دیں۔ فرمانے لگے کہ تمہیں خدا کی قسم ہے جس طرح ان کا پیغام مجھ کو دیا ہے اسی طرح میرا پیغام بھی ان کو پہنچا دینا۔ میں نے گھوڑے جہاد کے لیے رکھے ہیں اور جہاد انگریزوں سے کروں گا۔ تم تو گھوڑا مانگتے ہو۔ میں تو اپنا اور گھوڑوں کا پیشاب آنکھ میں ڈالنے کے لیے بھی نہیں دے سکتا۔ اس کے باوجود جب کبھی خاص بات فرمانی



صِبْغَۃَ اللّٰہ

اللہ کا رنگ کپڑے رنگ لینے سے نہیں دین پر عمل کرنے سے چڑھتا ہے

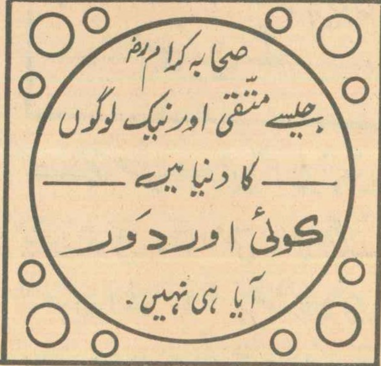
زبانی جمع خرچ اور عشق و محبّت کے کھوکھلے نعرے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور نجات پانے کا ذریعہ نہیں ہو سکتے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبَیداللہ انور مدّ ظلہم ○

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ! امّا بعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم:—
صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ○

ترجمہ: ”اللہ کا رنگ“ اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

بزرگان محترم! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ آج کے اس پُرفتن دور میں بھی دین کا کام کرنے والے، اللہ کا نام بلند کرنے والے اور بلا خوف لومۃ لائم حضور رحمۃ للعالمینؐ کی سنّت مطہرہ کی اتباع کرنے والے ایسے پاک سیرت لوگ موجود ہیں جن پر اللہ کا رنگ چڑھا ہُوا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ ہرے پیلے کپڑے



پہنتے ہیں یا ان کے چہروں کا رنگ علیحدہ ہے بلکہ ”صبغۃ اللہ“ اللہ کے رنگ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں توحید الٰہی کی معرفت حاصل ہو گئی ہے۔ دین کی راہ پر پختہ عزم سے گامزن ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی اور پرستش تو درکنار وہ پیغمبرانہ تعلیمات میں ذرہ برابر بھی رخنہ برداشت نہیں کرتے۔

آج لوگوں نے دنیا پرست اور دین کی اصل روح سے محروم نام نہاد مذہبی واعظین اور شعبدہ باز مصلحین کے اثر و فریب میں آکر چند رسموں اور بدعتوں کو دین قرار دے لیا ہے انہیں نہ ماننے والوں اور دین پر عمل کرنے والوں کو کہا جاتا ہے یہ دین سے باہر ہیں گروہ بندی اور تفرقہ بازی کا نام دین نہیں ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو قبول حق سے اسی گمراہی نے محروم کر رکھا اسی لئے انہوں نے ہمارے پیغمبر محبوب کبریا حضور خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید و رسالت مسترد کرکے اپنے لئے جہنم خریدی کہ وہ اپنی خود ساختہ رسومات کو دین قرار دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جو انہیں نہ مانے نجات نہیں پائیگا حالانکہ نجات کی راہ تو صرف اللہ کی بندگی کرنا سنتِ نبوی کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ یہی صبغۃ اللہ یعنی اللہ کا رنگ ہے۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کا عقیدہ اور قرآن کا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کہتے ہیں دائرۂ اہل کتاب میں آئے بغیر رنگ نہیں چڑھتا انہیں بتا دو کہ اللہ تعالےٰ سے بہتر رنگ چڑھانے والا کون ہو سکتا ہے لہٰذا بہترین رنگ چاہتے ہو تو اللہ تعالےٰ کے دروازہ پر آؤ۔"

اسی طرح موضح القرآن میں ہے کہ "نصاریٰ کے پاس دستور تھا کہ جس کو اپنے دین میں داخل کرتے ایک زرد رنگ بناتے اور اس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اس پر ڈال بھی دیتے۔

تو شکلیں بدلنے اور کپڑے رنگ لینے سے اللہ کا رنگ نہیں چڑھتا۔ اللہ کا رنگ قلب و روح کو نورِ ایمان و یقین سے منور کرکے نصیب ہوتا ہے۔ محض زبانی جمع خرچ اور عشق و محبت کے خالی اور کھوکھلے دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ توحید کا رنگ، دین کا رنگ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت، اولیاء کرام اور علماء ربانیین کے احترام و اکرام اور حضور خیر الانام (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سچے عشق کا رنگ اللہ والے چڑھاتے ہیں۔ علماء حق اسی رنگ "صبغۃ اللہ" کے تقسیم کنندگان ہیں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ علماء رنگ فروش ہیں اور اصحاب طریقت رنگ ساز ہیں، دونوں طبقوں کے پاس جانا پڑیگا۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر تربیت حاصل کرنا ہوگی ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے بعد حال و قال میں انقلاب برپا ہوگا درد دل بیدار ہوگا اور روح کا اضطراب، طلب حق میں ڈھل جائے گا۔ دل کی دنیا آباد ہونے اور صبغۃ۔ اللہ کے رنگ سے مزین ہونے کے بعد تنگی و افلاس میں پھٹے پرانے کپڑوں میں وقت گذر گیا تو زندگی تو گذر ہی جاتی ہے مگر جنت کا راستہ مل جائے گا رحمت و مغفرت کی وہ دولت حاصل ہوگی جو تخت شاہی، خزانۂ حکومت، کپڑے صورتیں بدلنے اور بہروپیوں کی طرح سوانگ رچانے کی جانکاہیوں سے نہیں ملتی۔ صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالےٰ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے۔"

حضرات گرامی! یہ اللہ تعالےٰ کا لطف و کرم ہے کہ اگر آج بدی اور فساد کی خوگر قوتیں زوروں پر ہیں تو بھلائی اور امن و اخوت کی بات کرنے والے بھی آرام سے گھر میں بند ہو کر نہیں بیٹھے ہوئے۔ یکطرفہ ٹریفک نہیں ہے۔ اگر گمراہی پھیل رہی ہے تو دین والے بھی صراطِ مستقیم کی روشنی کے چراغ لئے قریہ قریہ،

نجات پانے والے لوگ

—— وہی ہیں جو ——

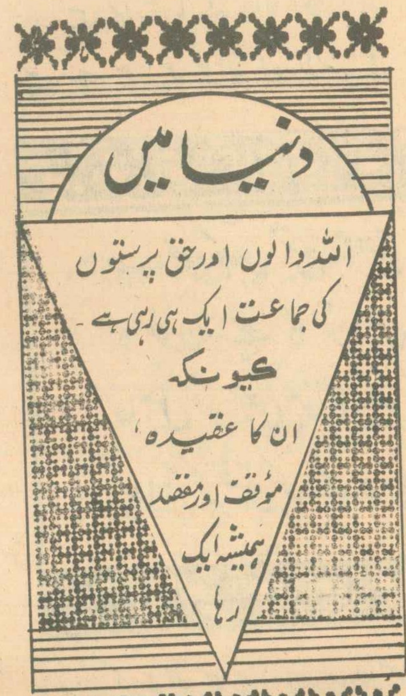
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ کی پیروی کریں۔ جو لوگ —— صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں دلوں میں بغض و عناد رکھتے ہیں وہ اصحاب رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی —— نہیں کریں گے ——

شہر شہر اور دنیا کے اطراف و اکناف میں ملکوں ملکوں پھر رہے ہیں۔ نیکی اور بدی کا مقابلہ، دین کے باغیوں اور وفاداروں میں معرکہ آرائی، حق اور باطل کی ٹکر شروع سے چلی آئی ہے ایک طرف اولیاء شیطان ہیں تو دوسری طرف اولیاء رحمٰن ہیں۔ یہ دست بدست جنگ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے پہلا مقابلہ ہابیل اور قابیل میں ہوا تھا۔ جب ایک نے دوسرے کو حسد اور بغض سے آتش بداماں ہو کر قتل کیا اور دنیا میں ناحق خونریزی کی ابتدا کی تھی۔ اب قیامت تک جو بھی ظالمانہ حاسدانہ اور تیغ ناحق سے خون بہے گا اس کا گناہ اور عذاب حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل کو بھی ملتا رہے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے بھائی ہابیل کو ظلماً قتل کرکے دنیا میں قتل و خونریزی کا دروازہ کھولا تھا۔ نیکی کی ابتدا کرنے والے کو نیکی کا ثواب اور برائی کا آغاز کرنے والے کو برائی کا عذاب ملنا قانون فطرت کا ابدی ضابطہ ہے۔

بہرحال نیک اور حق پرست گروہ ازل سے ہے اور ہمیشہ رہیگا دنیا کی کوئی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی۔ اختلافات اور فرقے پہلے سے رہے اب بھی ہیں۔ آئندہ بھی رہیں گے لیکن اللہ والے حق پرستوں کی جماعت اور فرقہ ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ ان کا مؤقف، عقیدہ اور مقصد ایک ہے۔ حدیث میں روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے۔ میری امت میں تہتر ہوں گے ان میں نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہے جو اس طریقہ اور راستہ کی پیروی کرے گا جو میرا اور میرے صحابہؓ کا ہے مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ۔ مگر آج لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں دلوں میں بغض و عناد رکھتے ہیں۔ پھر یہ ان کے راستے اور طریقے کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کا راستہ وہ نہیں جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ میں بتایا گیا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہؓ کو جو تعلیم دی جو دین سکھایا صحابہؓ نے اسی پر عمل کیا اور وہی آگے امت کو پہنچایا۔ صحابہؓ سے بغض و عناد رکھنے والا ان کا اور ہمارا دشمن ہے وہ صحابہ کرامؓ اور ان کی تعلیمات کا متبع اور پیروکار نہیں ہو سکتا۔ اہل حق اگرچہ تعداد کے اعتبار سے دنیا میں اکثر و بیشتر دوسروں سے کم رہے ہیں — مگر مقبول بارگاہِ الٰہی وہی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ظلم و ستم ڈھانے کا مخالفوں کو موقعہ اور حوصلہ اس لئے بھی ملتا رہا کہ وہ تعداد میں ان سے ہمیشہ زیادہ رہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ مشہور اور عظیم المرتبت انبیاء ہیں مگر دیکھ لیں ان کا ساتھ دینے والے تھوڑے لوگ تھے اور مخالفت کرنے والے زیادہ، اہل کفر نے ان پر ظلم توڑے اور ان کا جینا دوبھر کر دیا اور پھر مکی زندگی میں حضور خاتم النبیینؐ

جب بھی کہیں تیغ ناحق کی جفاکاری سے کسی مظلوم کا خون بہے گا تو اس کا گناہ حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل کو بھی ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے بے قصور بھائی کو قتل کرکے دنیا میں خونریزی کا دروازہ کھولا تھا

اور آپؐ کے ساتھیوں کو کون سی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سابقہ انبیاء میں سے کسی کو اس قدر مصائب و آلام نہیں پہنچے جتنا مجھے ستایا گیا اور تکالیف اٹھانا پڑی ہیں۔ ہجرت کی رات کفارِ مکہ آپؐ کو شہید کرنے کے منصوبے بنا چکے تھے اللہ کے شہر مکۃ المکرمہ سے ہجرت کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو آپؐ نے مکہ شہر سے فرمایا میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا اگر یہاں کے رہنے والے مجھے چلے جانے پر مجبور نہ کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ نے تین دن غارِ ثور میں گذارے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر چودہ روز تک مسجد قبا میں قیام فرمایا اور مدنی زندگی میں بھی صورتِ حال یہ رہی کہ دنیا بھر کی دشمن قوتیں مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور جارحیتوں میں مصروف رہی ہیں بدر و اُحد کے واقعات گواہ ہیں کہ کفارِ مکہ نے حضور ختمی مرتبت کے لائے ہوئے دین اور آپؐ کے صحابہؓ کو امن سے نہ رہنے دیا۔ یہودیوں کی فتنہ سامانیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کے علاوہ رومیوں کی وسیع لشکر کشی کا خطرہ ہر وقت سروں پر منڈلاتا رہتا تھا مگر یہ فیض نبوت کی معجز طرازی اور اسلام کی صداقت و حقانیت تھی کہ مسلمانوں کی اصل قوت اور کارگر ہتھیار ان کا کردار و اخلاق ثابت ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی بندگی کرنے اور اللہ کی مخلوق کی بھلائی چاہنے کا حق ادا



کیا۔ قیصر روم کے جاسوسوں نے گواہی دی کہ مسلمان اخلاق میں بہت بلند و بالا ہیں۔ مفتوحین کا مال و اسباب بغیر معاوضہ ادا کئے نہیں لیتے ظلم نہیں کرتے اور اصولوں کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے سردار کا بیٹا چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیں، زنا کرے تو سنگسار کر دیں۔ یہ اخلاقی اور تربیت ہی کی تو جلوہ آرائیاں تھیں کہ شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہاتھ جہاں تھے وہیں رُک گئے شراب کا پیالہ بھرا ہوا لبوں کے قریب تھا اعلان سننے کے بعد یہ نہیں کہ پی لیا ہو، اسے وہیں چھوڑ دیا۔ مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ ایک شخص سے زنا کا جرم سرزد ہو گیا۔ اس نے خود آ کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور درخواست کی کہ اسے دین کے مطابق سزا دی جائے نہ پولیس پکڑنے گئی اور نہ ہی گواہ تلاش کئے گئے۔ یہ تھے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ مسلمانوں کی مثالی جماعت۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام جیسے متقی اور نیک لوگوں کا دَور تاریخ عالم میں دوسرا کوئی اور نہیں ہے۔ برائی اور شیطنت کی قوتوں کو آج بھی شکست دی جا سکتی ہے۔ قیصر و کسریٰ کی ذلّت و نامرادی کی طرح امریکہ اور روس کی باطل قوتوں کو آج بھی پاؤں تلے روندا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہمارے اندر اعلیٰ اخلاق یعنی حقوق کی ادائیگی کا صحیح احساس پیدا ہو جائے یہ ایسا ایٹم بم اور جوہری اسلحہ ہے جس کا وار کبھی خطا نہیں

ہوتا۔ اعلیٰ اور بلند اخلاق کا مطلب ہے حقوق کی ادائیگی یعنی بندوں کا حق بندوں کو دیا جائے اور اللہ کا حق اللہ کی بارگاہِ جلال و اکرام میں پیش کیا جائے۔ قرآنِ کریم اور تبلیغ دین انسان کو اسی ڈھانچہ میں ڈھالتے ہیں اور یہی صبغۃ اللہ یعنی اللہ کا رنگ ہے اللہ تعالےٰ نے ہمارے ساتھ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا وعدہ فرمایا۔ مگر اس کی برکات و ثمرات کا مستحق بننے کے لئے ایمان اور صداقت کی شرط ہمیں پوری کرنا پڑے گی۔ جس مرض کا جو علاج آج سے چودہ سو برس پہلے روحوں کے قدسی صفات طبیبؐ نے تجویز فرمایا تھا ان بیماریوں کے لئے آج بھی وہی نسخے کیمیائے شفاء ہیں ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ دین کا کام کرنے والے اور حق کی اشاعت کرنے والے کامیاب و سرفراز ہوں ان کے باہمی مسائل اور مشکلات کو اللہ تعالےٰ حل فرمائے اور سب مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ دین پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!



بندگانِ الٰہی نے جب اپنے رب کا نام لیا

چنیوٹ میں:

حضرت صاحبزادہ مولانا محمدؐ اجمل قادری کی تشریف آوری

محلّہ انصاریاں میں مجلسِ ذکر کا انعقاد

۲۹ر اکتوبر کے روز حضرت صاحبزادہ مولانا محمد اجمل قادری چنیوٹ تشریف لائے مولانا محمد یعقوب جناب سلیم اختر قادری جناب حافظ شبیر زمان اور دیگر احباب نے بعد نماز مغرب اونچی مسجد محلہ انصاریاں میں عامۃ المسلمین کو دعوت ذکر و فکر رکھی تھی اس لئے چنیوٹ اور گرد و نواح کے دیہات سے سینکڑوں طالبان بادۂ حق جوق در جوق چلے آئے۔ اس موقعہ پر مہمان عالی مرتبت نے شرکائے محفل کو ذکر الٰہی کی ضرورت و اہمیت سمجھاتے ہوئے فرمایا "ہمارا رب اللہ ہے وہ سارے جہان کا خالق و مالک اور نگہبان و مختار ہے ہم اس کے بندے ہیں ہمارا فرض ہے کہ اپنی عاجزی اور بے کسی کا اقرار کرتے ہوئے اپنے رب کی کبریائی اور بزرگی کا اعتراف کریں، اس کے پاک نام کو بلند کریں اسی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مانیں۔ اس کے سوا کسی کا خوف دل میں نہ رکھیں، اس کے پاک نام کو دل میں بسائیں گے تو دلوں کی اجڑی بستیاں آباد ہو جائیں گی۔ ہم اسے یاد کریں گے تو اس کی رحمتیں ہمیں یاد کریں گی۔ ہم گنہگار ہیں۔ گنہگاروں کو ضرورت ہے کہ بخشنے والے کا دروازہ کھٹکھٹائیں مَنْ یَّغْفِرُ

الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰہ۔ اے دنیا والو! بتاؤ تو سہی کوئی اور بھی ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو معاف کر سکے۔ وہ صرف اللہ ہے جو غفور غفار ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے، بندے بن کر اس سے مانگا کریں۔ ان کی دعاؤں کو قبول کرنے کے لئے اس کی رحمتیں خود استقبال کو آگے بڑھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنے بندے کے گمان کے بالکل قریب ہوں۔ جب بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر اس نے اپنے جی میں مجھے یاد کیا تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر اس نے کسی جماعت میں بیٹھ کر میرا ذکر کیا تو میں بھی فرشتوں کے سامنے اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میری طرف بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور کوئی میرا بندہ میری طرف چل نکلتا ہے تو میں اس سے دوڑ کر مل جاتا ہوں۔

حضرات محترم! آپ مسجد میں تو آگئے ہیں یہ اللہ کا گھر ہے۔ آؤ اولیاء اللہ کے طریقے کے مطابق اللہ کا ذکر بھی کر لیں۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے لوگوں کو سلسلہ قادریہ راشدیہ کا طریقۂ ذکر بالجہر سمجھایا اور ذکر کرایا۔ مجلس ذکر کے بعد بیسیوں افراد نے ہدایت و تزکیہ کے لئے جانشین امام الہدیٰ کے ہاتھ پر سنت نبوی کے مطابق گناہوں سے توبہ و اجتناب کی

اعتذار

گذشتہ شمارے افکار معاصرین ہفت روزہ الاعتصام سے ماخوذ تھے۔

قضا و احتساب

عہدِ فاروقیؓ میں

تحریر: سید فضل الرحمٰن جعفری

اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو ایمانؓ احتساب کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے۔ ذاتی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی، اور ہر مسلمان محاسبہ نفس کا مکلف ہے تاکہ "شر" سے بچے اور خیر اختیار کرے۔ یہ اتنا پاکیزہ عمل ہے۔ جس سے انسانی زندگی تمدنی اور اخلاقی اعتبار سے بام عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اور دین حق کی در اصل یہی روح ہے۔ احتساب نفس کی بہترین مثال حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی میں ملتی ہے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی دل میں غرور و نخوت کی کوئی ہلکی سی پرچھائیں پڑتی تو فوراً اس کا تدارک کرتے، ایک دن مسجد نبویؐ میں خطبہ کے دوران اچانک آپ نے اپنا موضوع بدل دیا۔ اور فرمانے لگے۔ "صاحبو! میں ایک زمانے میں اتنا غریب و نادار تھا کہ لوگوں کے لئے پانی بھرتا تھا اور وہ اس کے عوض مجھے چھوہارے دیتے تھے۔ بس وہی میری غذا ہوتی تھی۔" یہ فرما کر منبر سے اتر آئے۔ لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اے امیرالمومنین! یہ کونسی بات تھی جسے آپ نے منبر پر دوران خطبہ فرمایا۔ "آپ نے جواب دیا کہ میری طبیعت میں ذرا سا غرور آگیا تھا، یہ اس کا علاج تھا۔" قضاۃ کا منصب بہت اہم تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتی۔ اور آپ اس منصب کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرتے تھے جو علم و فضل اور زہد و تقویٰ

> حضرت عمرؓ حکام کی کڑی نگرانی کرتے شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے سے روکتے، غرور اور برتری کی ہر علامت مٹا دیتے!

کے علاوہ ذہنی استعداد اور قوت فیصلہ کی صفات سے مزین ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ کو مدینے کا قاضی مقرر کیا گیا تھا اور دیگر مقامات کے لئے عبداللہ بن مسعودؓ قاضی شریح، جمیل بن العمرؓ، ابو مریم سلمان بن ربیعہ باہلیؓ، عبدالرحمٰن بن ربیعہؓ، عمران بن حصین، ابوقر، کندی، جیسے جلیل القدر بزرگوں کو قضات کا منصب تفویض کیا گیا تھا۔ جو اپنی علمی جلالت، اور بلندی کردار، اور عظمت تقویٰ میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ عدل و انصاف کے لئے ضروری تھا کہ مساوات کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور امیر و غریب، کالے اور گورے دوست اور دشمن اور اپنے اور بیگانے کا امتیاز باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس اہم مقصد کو پوری طرح ذہن نشین کرنے کے لئے خود فریق بنکر آپ عدالت میں جاتے تھے۔ ایک بار حضرت اُبیؓ بن کعب سے کچھ تنازعہ ہوا اُبی نے زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضری کا حکمنامہ ملا۔ آپ مقررہ تاریخ پر عدالت میں حاضر ہوگئے۔ زیدؓ نے امیرالمومنین کا احترام کیا حضرت عمرؓ نے اسی وقت انہیں ٹوکا اور کہا کہ "یہ تمہارا پہلا ظلم ہے" پھر حضرت عمرؓ مدعی اُبی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ دعوے سے منکر تھے۔ اُبی

نے عدالت سے درخواست کی کہ مدعاعلیہ سے حلفیہ بیان لیا جائے۔ لیکن زیدؓ بن ثابت نے اُبیؓ سے کہا کہ مدعاعلیہ کا رتبہ امیرالمومنین کا ہے انہیں قسم سے معاف رکھا جائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فوراً یہ فرمایا کہ :-

"اے زید! تم منصب قضا کے اس وقت تک اہل نہیں ہو سکتے جب تک تم ایک عام آدمی کو عمرؓ کے برابر نہ سمجھو۔"

حضرت عمر فاروقؓ عدل کی روح سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے نرمی اور رعایت کے تصور سے ان کا ذہن ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ اور حکومت کے اعلیٰ حکام کو علی الاعلان سزا دیتے تھے۔ ایک بار حج کے موسم میں تمام حکمرانوں کو طلب کیا۔ اور عام مجمع میں کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ جن لوگوں کو کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔ ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا کہ فلاں حاکم نے میرے سو درے لگائے تھے۔ امیرالمومنین نے حکم صادر کیا کہ "آؤ اور بدلہ لے لو" اس موقع پر حضرت عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ "اے امیرالمومنین! اس طریقِ کار سے عمال میں بددلی پھیل جائے گی"۔ فرمایا! اے عمرو بن العاص! سن لو کہ میں ایسا ضرور کروں گا" اور مستغیث کو حکم دیا کہ وہ اپنا کام کرے پھر مستغیث کو دو سو دینار کے عوض راضی کر لیا گیا

حضرت عمرؓ دین کے بڑے رمز شناس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نور بصیرت اور عرفان شریعت کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ان کا دل ایک سچے مومن کا دل تھا۔ جو سنگ و فولاد بھی بن جاتا تھا اور ریشم کی طرح نرم بھی ہو جاتا تھا۔ مزاج فطرتاً تند و تیز تھا۔ فی الحقیقت ان کی درشت مزاجی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی۔ ان کی درشتی و تلخی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حق کی حمایت میں ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں:

"میرا دل خدا کے بارے میں نرم ہو جاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے"

احتسابِ نفس

کی بہترین مثال

حضرت فاروق اعظمؓ

کی زندگی میں ملتی

ہے!

حضرت عمر فاروق نے ان جلیل القدر بزرگوں کو قضا و احتساب کا منصب سپرد کیا تھا جو بلندی کردار اور تقویٰ میں عظیم مقام رکھتے تھے

حضرت عمرؓ عمال کے رہن سہن اور عام مصروفیات کی خاص طور پر نگرانی کرتے تھے۔ اور انہیں شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے سے روکتے تھے، وہ غرور و برتری اور ترفع و تجمل کی ہر علامت کو مٹا دیتے تھے۔ عوام کی شکایت پر عمال سے سختی سے باز پرس کرتے تھے۔ اور عام لوگوں سے ملاقات نہ کرنے پر انہیں برطرف کر دیتے تھے۔ مصر کے عامل عیاضؓ بن غنم قیمتی لباس پہنتے تھے اور شاندار محل میں رہتے تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ نے معزول کر کے بلوایا اور کملی کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کوفے کے عامل تھے۔ وہاں انہوں نے ایسی کوٹھی تعمیر کرائی تھی جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی۔ حضرت عمرؓ سزا دینے میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر کا امتیاز بالکل نہ کرتے تھے۔ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی کبھی رعایت نہ کرتے تھے۔ ابوشحمہ آپؓ کے فرزند تھے۔ ایک بار غلطی سے انہوں نے شراب پی لی تھی۔ حضرت

عمرؓ کو خبر ہوئی تو اسّی کوڑے مارے۔ اسی میں وہ ہلاک بھی ہو گئے۔ آپؓ کے برادر نسبتی اور مشہور صحابی قدامہؓ بن مظعون کو بھی شراب نوشی کے جرم میں اسّی کوڑے لگوائے اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جو حضرت عمرؓ کی عدل گستری اور حق پرستی کی روشن مثال ہیں۔ ان کے دور میں ابتدا میں تو عدلیہ اور انتظامیہ ایک ہی رہے لیکن جب پورا نظام قائم ہو گیا تو قضاۃ نے ایک مستقل محکمے کی شکل اختیار کر لی۔ ہر ضلع میں عدالتیں قائم ہوئیں۔ اور قضاۃ کے اُصول اور قوانین مرتب کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ایک فرمان جاری کیا گیا جو یہ ہے۔

اما بعد۔ قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو" تاکہ کمزور انصاف سے محروم نہ ہو۔ اور معزز آدمی کو رو رعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے، اس پر بار ثبوت ہے، اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حرام حلال، اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا، تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلہ میں شبہ ہو، اور قرآن اور حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو۔ ان پر قیاس کرو، جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے، اس کے لئے ایک میعاد مقرر کر دو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو، ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درّے لگائے گئے ہوں، یا جھوٹی گواہی دی ہو، یا وراثت میں مشکوک ہوں۔ سب مسلمان ثقہ ہیں۔

اور قاضیوں کو یہ خاص ہدایت تھی کہ مقدمات میں اوّل تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو، اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو۔"

یہ ہے وہ اجمالی نقشہ عدل و انصاف کا جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں تھا۔ اور جو ٹھیک ٹھیک کتاب و سنت کے مطابق تھا۔ اور یہی نظام عدل مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اسی میں ایمان و احتساب کی اعلیٰ قدریں پوشیدہ ہیں۔

مومن بادشاہ

بادشاہ مومن نہیں تو اس کے تاج پر خدا کی لعنت ہے۔ ایک غریب مومن کی گودڑی پر خدا کی رحمت ہے۔ اُس کے محل پر خدا کی لعنت، اس کے چھپّر پر خدا کی رحمت۔ اُس کے سونے کے پلنگ پر لعنت، اس کی چٹائی پر رحمت۔ جس سے خدا راضی ہوتا ہے اُس پر اُس کی رحمت ہوتی ہے۔ جس سے وُہ ناراض ہوا اُس پر لعنت ہوتی ہے۔

(ملفوظات طیبات حضرت لاہوریؒ)

عاشقِ رسول شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: منظور احمد الحسینی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی ولادت ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء میں بانس بریلی میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے چھ سال کی عمر میں پڑھنے بٹھائے گئے۔ قرآن مجید کا اکثر حصہ میاں جی منگلوری سے پڑھا بقیہ قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی کتابیں میاں جی مولوی عبداللطیف صاحب سے پڑھیں اس کے بعد فارسی کی سب کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتب اپنے معزز چچا اور مشہور استاد مولانا مہتاب علی سے پڑھیں اور جب دیوبند کا مدرسہ معرض وجود میں آیا تو آپ کو سب سے پہلے اس مدرسہ کے احاطہ میں کتاب کھولنے کی سعادت نصیب ہوئی اور جس استاد کے سامنے کتاب کھولی ان کا نام نامی بھی "ملا محمود" تھا۔ ۱۲۸۶ھ میں نصاب دارالعلوم کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دوسری کتابیں پڑھیں اور ۱۲۸۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم کا جلسہ دستار بندی ہوا جو مادرِ علمی کا پہلا جلسہ تھا۔ اس میں حضرت نانوتویؒ کے دستِ مبارک سے آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اور سند فراغت دی۔ جن رفقاء کو آپ کے ساتھ یہ سعادت ملی ان میں مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبدالحق پور قاضوی وغیرہ شامل ہیں زمانہ تعلیم میں ہی آپ کا شمار حضرت نانوتویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا تھا اور حضرت نانوتویؒ خاص طور پر شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کی اعلیٰ علمی اور ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر دارالعلوم کی مدرسی کے لیے اکابر کی نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ اور ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۷۴ء میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ ظاہری علم و فضل کی طرح باطن بھی آراستہ تھا۔ ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۷ء میں اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کی معیت میں حج سے مشرف ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کیا اس سفر حج میں علماء کا ایک بڑا قافلہ بن گیا تھا جس میں حضرت نانوتویؒ کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، حکیم ضیاء الدین رام پوری، مولانا احمد حسنؒ کانپوری جیسے علماء و مشاہیر شامل تھے۔ قافلہ کے جملہ حضرات کی تعداد سو کے قریب تھی حضرت شیخ الہند کو حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت بھی حاصل تھی۔

۱۲۹۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی وفات کے رنج و غم میں تمام تعلقات اور تعلیم و تعلم ترک کرکے عزلت گزینی اختیار فرمائی مگر ایک ماہ کے بعد مہتمم دار العلوم مولانا رفیع الدین کے ارشاد و اصرار سے تعلیم شروع فرمائی، جامع کمالات، نمونۂ سلف صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحب کی وفات اور مولانا سید احمد صاحب کے تشریف لیجانے کے بعد ۱۳۰۵ھ میں حضرت باتفاق آراء صدر مدرس تجویز ہوئے اور مسلسل چالیس سال تک علوم دینیہ کی نشر و اشاعت فرماتے رہے۔ حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت کی زبان پر تھا اور آئمہ اربعہ کے مذاہب ازبر، صحابہ و تابعین، فقہاء و مجتہدین کے اقوال محفوظ، نہایت سبک اور سہل الفاظ با محاورہ اردو میں اس روانی اور جوش سے تقریر فرماتے، معلوم ہوتا کہ دریا امڈ رہا ہے۔

بہت سے ذی استعداد اور ذہین و فطین طالبعلم جو مختلف اساتذہ کی خدمتوں میں استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے شکوک و شبہات کے کافی وافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہؐ کے معانی اور مضامین عالیہ سن کر سرِ نیاز خم کرکے معترف ہوتے تھے۔ یہ علم کسی کو نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں ہے۔

آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث طلبہ دارالعلوم دیوبند کی تعداد دو سو سے بڑھ کر چھ سو تک پہنچ گئی تھی۔ آپ کے زمانہ میں ۸۶۰ طلباء نے حدیث نبوی سے فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہند کے فیض تعلیم نے امام العصر مولانا سید انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی، مبلغ اعظم مولانا محمد الیاس کاندھلوی، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، بطل حریت مولانا منصور انصاری، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عزیز گل، مولانا محمد صادق کراچی، جیسے مشاہیر اور نامور علماء کی جماعت تیار کی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح دین متین کی خدمت کی اسی طرح سے آپ نے استخلاص وطن کے لیے سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ حضرت شیخ الہند نے اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر مسلح انقلاب کے ذریعے انگریزوں کا اقتدار ختم کرنے کے لیے بڑے پیمانہ پر ایک منصوبہ تیار کیا اس کے لیے انہوں نے نہایت منظم طور پر اپنا پروگرام مرتب کیا تھا۔ ان کے شاگردوں اور رفقائے کار کی ایک بڑی جماعت جو ہند و بیرون ہند کے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے مجوزہ پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت سرگرمی اور جانبازی کے ساتھ کوشاں تھی۔ شاگردوں میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد میاں منصور انصاری اور دوسرے بہت سے تلامذہ اس میں شامل تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی اور انقلابی پروگرام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں یہ بڑی منظم تحریک تھی اس نے آزادی کے لیے آئندہ پورے ہندوستان میں فضا ہموار کردی یہ کام دو محاذوں سے شروع کیا گیا تھا۔ ایک محاذ اندرون ملک کا تھا اور دوسرا ملک سے باہر، دونوں محاذوں پر مسلح جدوجہد کی تیاری کی جارہی تھی اس وقت عام خیال تھا کہ طاقت کے بغیر انگریزوں کا ہندوستان سے نکال دینا ممکن نہیں ہے اور چونکہ ہندوستان سے ہتھیار چھین لیے گئے ہیں اس لیے جنگ آزادی شروع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلحہ اور سپاہ کی غیر ملکی امداد و اعانت حاصل کی جائے۔ اس سلسلہ میں شیخ الہندؒ کی نظر سب سے پہلے افغانستان پر گئی ہندوستان اور افغانستان کی سرحدیں ملی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہاں سے مدد اور اسلحہ ملنا سب سے آسان تھا اسی کے ساتھ ہندوستان کی حد پر بسنے والے آزاد قبائل سے مدد لی جاسکتی تھی اسلحہ اور سپاہ کا مرکز یاغستان کے آزاد علاقے کو بنایا گیا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے صوبہ سرحد کے ان علماء سے جو دارالعلوم کے طالب علم رہ چکے تھے رابطہ قائم کیا ـــ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ افغانستان سے لے کر ہندوستان تک انگریزوں کے خلاف ایک جال بچھا دیا جائے اور کسی مناسب موقع پر ہندوستان اور آزاد قبائل کی منظم طاقت برطانوی ہند پر حملہ آور ہو دوسری طرف ملک بھر میں جنگ آزادی کا آغاز کردیا جائے، ان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی صورت ہوگی جس کا انگریز مقابلہ نہ کرسکیں گے۔

ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے باہر کی حکومتوں سے بھی اس سلسلہ میں مدد لینا ضروری تھا اس بنا پر آپ نے مولانا عبیداللہ سندھی کو ایک خاص مشن پر کابل جانے کا حکم دیا۔ اور مولانا محمد میاں منصور انصاری کو آزاد قبائل میں جہاد کی تلقین کے لیے بھیجا اور ترکوں سے مدد حاصل کرنے کے لیے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء خود حجاز مقدس کا سفر کیا۔ وہاں کے ترکی گورنر غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے ملاقات فرما کر بعض اہم امور طے کئے آپ حجاز سے براہ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم کے دوران شریف حسین والی مکہ نے انگریز حکام کے اشارے پر آپ کو گرفتار کرکے ان کے حوالے کر دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا عزیز گل مدظلہ، حکیم نصرت حسین رح، اور مولانا وحید احمدؒ کی گرفتاری بھی عمل میں آئی آپ کو پہلے مصر اور پھر وہاں سے مالٹا لے جایا گیا، جو اس دور کے برطانوی قلمرو میں جنگی مجرموں کے لیے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا اس تحریک کا نام ریشمی رومال ہے

اس تحریک کے ساتھ منسلک لوگوں کی تعداد ۲۲۲ ہے۔ جن کا ریکارڈ انڈیا آفس لندن میں ہے ان میں خلیفہ ترکی بلقان ایران اور امیر کابل مربی ہیں جبکہ انور پاشا، عباس حلمی، نائب سلطنت کابل، نظام حیدر آباد، والیٔ بھوپال نواب رام پور اور نواب بہاول پور مرکزی شخصیتیں تھیں۔

فوجی لشکر جس کا نام "جنود ربانیہ" تھا، کے سالار اعلیٰ حضرت شیخ الہند جبکہ قائمقام سالار مولانا عبید اللہ سندھی، نائب سالاروں میں مولانا دین پوری، حضرت امروٹی، حضرت مدنیؒ، حاجی صاحب ترنگ زئی، ڈاکٹر انصاری، مولانا منصور انصاری، مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں جیسے لوگ شامل تھے۔ ان لوگوں کو لیفٹننٹ جنرل لکھا گیا ہے۔

معین سالار یعنی میجر جنرل ۱۵ حضرات ہیں ان میں علامہ سید سلیمان ندوی کاظم بے وغیرہ شامل ہیں۔

کرنل حضرات کی فہرست میں ۲۴ کے قریب حضرات کے نام ہیں: حضرات مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد صادق کھڈہ کراچی مولانا عزیز گل وغیرہ اس زمرہ میں شامل ہیں۔ بارہ کے قریب لیفٹیننٹ کرنل اسی طرح میجر کپتان ان سب کی علیحدہ علیحدہ فہرست ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا حلقہ اثر، ماتحت عملہ، مشاہرہ جات اور دوسرے اخراجات سب امور کی تفصیل کتاب "تحریک شیخ الہندؒ (مصنفہ مولانا محمد میاں صاحب)" میں درج ہے۔

جنگ کے ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو آپ نے ساحل بمبئی پر قدم رنجہ فرمایا۔ اگرچہ مالٹا سے واپسی کے بعد صحت بگڑ چکی تھی اور قویٰ پیرانہ سالی کے باعث نہایت ضعیف ہو گئے تھے مگر بایں ہمہ آپ تحریک خلافت میں شریک ہو گئے آپ نے برطانوی حکومت کے خلاف "ترکِ موالات" کا فتویٰ دیا جس سے ملک میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تک کو لوگ بند کرنے پر آمادہ ہو گئے اس زمانہ میں شیخ الہند سخت علیل تھے پالکی میں علیگڑھ تشریف لے گئے خواجہ عبدالحمید کی کوٹھی پر قیام کیا اگلے دن جلسہ میں شرکت فرمائی۔ کمزوری اتنی تھی کہ چلنا مشکل تھا، دو آدمیوں کے سہارے تشریف لائے خطبہ میں فرمایا۔

"میں اپنی پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر الٰہی کی روشنی جھلک رہی ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو۔ اور اس اُمت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو اُن کے دلوں پر خوف وہراس طاری ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا" مزید فرمایا:۔ "اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں۔ مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی جانب بڑھایا اور اس طرح ہم نے دو تاریخی مقاموں کا رشتہ جوڑا۔"

آگے چل کر آپ نے اس الزام کی تردید کی کہ علماء جدید علوم کے مخالف ہیں البتہ جو اثرات واضح طور پر سامنے آتے ہیں ان کی نشاندہی کی اور آزاد یونیورسٹی کے قیام کا اعلان فرمایا۔ یہی یونیورسٹی بعد میں دہلی میں "جامعہ ملیہ" کے نام سے بنی۔ اور اس طرح آپ نے علیگڑھ کو گویا بچا لیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی کوششوں سے علی گڑھ اور دیوبند ایک پلیٹ فارم پر نظر آنے لگے اور علی گڑھ اور دیوبند کے مابین جو بُعد تھا وہ بڑی حد تک کم ہو گیا غرض کہ آپ علم و فضل، زہد وتقویٰ کے علاوہ سیاست وتدبّر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

علیگڑھ سے واپسی کے بعد جب حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تو بغرض علاج ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں بھی شریک علاج تھے مگر وقتِ موعود آچکا تھا۔ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کی صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ دیوبند لایا گیا اور اگلے روز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی قبر مبارک کے قریب یہ گنجینۂ فضل وکمالات دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔

تصانیف

(۱) ترجمہ قرآن مجید۔ حضرت شیخ الہندؒ نے درس وتدریس اور سیاسی

(بقیہ ۲۳ پر)

شوریٰ

مولانا مفتی
عتیق الرحمٰن عثمانی
دہلی

اسلامی حکومت کے اصول و مبادی بہت سے ہیں۔ اس مختصر وقت میں ان سب کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے۔ دوسرے اصول کے متعلق دیگر فضلائے گرامی اپنے خیالات پیش کریں گے۔ میں اس موقع پر اسلامی حکومت کے اصولِ شوریٰ کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اس طرح کے اجتماعات میں کسی طویل مقالہ کا پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔

شوریٰ درحقیقت رائے عامہ کے اظہار کا نام ہے۔ مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے۔ اور جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی تھی جب یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ وشاورھم فی الامر (یعنی حکومت کے معاملات میں نظام شوریٰ اختیار کیجیے) اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ طے کر دیا گیا کہ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ یعنی ان کے تمام کام شوریٰ کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماہرین اور علماءِ اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کی اساس اور اس کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ اللہ اور اس کا رسول شوریٰ سے مستغنیٰ ہے۔ مگر یہ حکم اُمّت کے لیے رحمت ہے اور جو اس کے حکم پر عمل کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کی رہنمائی سے محروم نہ ہوگا۔ اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ غلط راہ روی سے بچ نہ سکے گا۔ (روح المعانی) ابنِ جریر کی روایت ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم ملتا تھا اور یہ اس لیے تھا کہ قوم کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے اور یہ کہ شوریٰ امت کے لیے قانون بن جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ترمذی)

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون شوریٰ پر عامل تھے۔ تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے تعامل سے یہ ثابت ہے کہ وہ عورتوں سے بھی مختلف معاملات میں رائے لیتے تھے۔ تفسیر مظہری جلد دوم ص ۱۶۱ پر مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے ضحاک کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا۔

ان امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لیے ایک مجلسِ شوریٰ بنائے کیونکہ ایک شخص ہر معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہیں رکھتا جتنا معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ مکی دور میں اجتماعی مشوروں کے لیے دار ارقم کو مجلس شوریٰ کا ایوان بنایا گیا تھا۔ مدنی دور میں حضورؐ کے زمانہ تک کھلے میدانوں کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

اور مسجد نبوی میں بھی اس طرح کے اجتماعات ہوتے تھے خلافتِ راشدہ میں سب سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ سے ایوانِ شوریٰ کا کام لیا گیا۔

جب اسلامی حکومت کے ایک اصول اور اساس کی حیثیت سے شوریٰ کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر حکومت یا خلیفہ وقت یا امام المسلمین اس کا پابند ہے یا نہیں۔ ہم اس مقالہ کو اس بحث پر مرکوز کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس لیے کہ اسلامی نظام حکومت میں امیر کی حیثیت اور اس کے اختیارات متعین ہو جائیں۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امیر آزاد ہے اور وہ شورےٰ کے فیصلے کا پابند نہیں اس اعتبار سے امیر کی حیثیت ان کے نزدیک آمر مطلق یعنی ڈکٹیٹر کی ہو جاتی ہے اور شوریٰ کی حیثیت اور اہمیت صفر کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اسلامی حکومت شوریٰ کی حکومت اور امام اس کا با اختیار رہنما اور صاحب تنفیذ قوت ہے اس لیے قدرۃً امام شورےٰ کے اختیارات کا نمائندہ ہے اور انتظامی معاملات میں مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا ترجمان ہے۔

قرآن کریم میں ہے (امرھم شوریٰ بینھم) یعنی مسلمانوں کے معاملات اور انتظامی امور آپس کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے اور حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ دینے کے بعد بھی اپنی اس ذاتی رائے پر عمل کرے جو مجلسِ شورےٰ کے فیصلے کے خلاف ہو حکومت کے امیر اور سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ اربابِ حل و عقد سے مشورہ لے اور اس مشورہ کی پابندی کرے۔

بہت سے حضرات کو قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے غلط فہمی ہوتی ہے اور انہوں نے اس سے غلط نتیجہ نکالا ہے وہ آیت یہ ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (یعنی معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کر لیا کیجئے اور جب آپ معاملہ متعلقہ میں عزم کرلیں تو اعتماد خدا ہی پر رکھیئے۔

ان الفاظ سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ مشورہ کرنا تو امام کے لیے ضروری ہے مگر مشورے کی پابندی ضروری نہیں آیئے غور کریں کہ عزم سے پیدا ہونے والی رائے شوریٰ کے فیصلے کی پابند ہے یا نہیں۔ غور فرمایئے کہ قرآن میں شوریٰ کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور عزم کا بعد میں اور اس لیے منشا اور مقصد یہ ہے کہ کسی معاملہ کو طے کرنے کے لیے مجلسِ شوریٰ طلب کی جائے اور یہ مجلس جو فیصلہ کر دے وہ عزم کی بنیاد بن جائے ظاہر ہے کہ اگر امیر یا امام شوریٰ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا کرے گا اور ذاتی و شخصی رائے پر عمل کرتا رہے گا تو یہ بات مجلس شورےٰ کے لیے ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف ہوگی اور ایسے امیر اور ڈکٹیٹر کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا

دوسری بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ اس آیت میں خطاب بطور خاص رسول اللہ صلعم سے ہے اور پیغمبر کے احکام شورےٰ کے باوجود واجب التعمیل ہوتے ہیں کیونکہ پیغمبر کی ایک حیثیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا امیر اور والی ہوتا ہے اور دوسری حیثیت یہ ہوتی ہے کہ اس زمین پر خدا کی آواز ہوتا ہے اس آیت کی رُو سے کسی صدر حکومت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہو سکتے جو آپؐ کی ذات کو مخاطب کرکے آپؐ کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہوں۔ ہمارا مقصد اس بحث سے یہ ہے۔ کہ اس بات سے اگر کسی کو انکار ہے کہ عزم کا تعلق شورےٰ کے فیصلہ سے ہے تو بھی یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں ہے کہ یہ حکم آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے آپ کے لیے مخصوص ہے۔ امرہم شوریٰ بینھم (یعنی مسلمانوں کے کام شوریٰ سے طے پاتے ہیں) قرآن میں یہ الفاظ ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا چنانچہ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں آیتِ عزم کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اہل رائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلہ کی پیروی۔

معلوم ہوا کہ عزم حقیقت میں وہ ارادہ ہے جو امام کے دل میں شوریٰ کے فیصلہ پر

کاربند ہونے کے لیے پیدا ہوتا ہے اس آیت عزم کے سلسلہ میں احکام القرآن میں امام ابوبکر الجصاص نے واضح طور پر لکھا ہے۔ قرآن میں عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد آیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہے جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور یہ شوریٰ سے صادر ہوا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے بھی یہی بات لکھی ہے ان تمام تصریحات کے بعد امام کے شخصی فیصلہ کو شوریٰ کے فیصلہ پر ترجیح دینا درست نہیں ہوگا۔

اگر کسی کا ذہن ان تصریحات سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کا یہ اصرار قائم رہتا ہے کہ امام کے شورےٰ کے فیصلے کے پابند ہونے پر کوئی صراحتہ النص موجود نہیں ہے تو وہ اس بات کا احترام کم سے کم کریں گے کہ اس دائرۂ خاص میں کوئی واضح اور متعین حکم موجود نہیں ہے۔ ان اصحاب کے لیے اکیلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے عہد کو چودہ سو سال گذر چکے ہیں۔ خلفاء کا درجہ تو بہت اونچا ہے اور جو لوگ مسلمانوں میں ہیں وہ تقوےٰ خوفِ خدا اور احساسِ ذمہ داری میں ان کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں کیا ایسے معاشرہ میں کسی فرد واحد کے بے لگام اور مطلق العنان بنا دینا درست ہوگا کیا تنہا ایک فرد کو اربابِ حل وعقد کے فیصلوں سے آزاد اور مسلمانوں کے معاملات کا تنہا ذمہ دار بنا دینا مناسب ہوگا؟

بعض لوگوں کو اس معاملہ میں جو غلط فہمی ہوتی ہے اور انہوں نے سربراہِ حکومت کو مختار مملکت مان لیا ہے اس کی وجہ سیرت و تاریخ کے تین واقعات ہیں جنہیں صحیح ڈھنگ سے نہیں سمجھا گیا۔ ایک صلح حدیبیہ کا واقعہ دوسرے حضرت ابوبکرؓ کا جیش اسامہ کو رخصت کرنا، تیسرے مرتدین، زکوٰۃ کے بارے میں آپکا عمل۔

اس سے پہلے کہ ان تینوں واقعات کی صحیح تصویر پیش کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء اسلام کی ایک تصریح کا پھر سے ذکر کر دیا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا میں دو قسم کی ذمہ داریوں پر فائز تھے ایک منصب رسالت، دوسرے منصب امامت، یہی ذمہ داریاں ہیں جن سے آنحضرت صلعم کے طرز میں فرق ہو جاتا تھا آپ منصب رسالت کا کام خدا کے حکم کے مطابق انجام دیتے تھے اور منصب امامت کا کام شورےٰ کے ذریعے سے، منصب رسالت کے کام کو ادا کرنے کے لیے آپ مشورہ تو کر لیتے تھے لیکن یہ مشورہ لینا صرف تعلیم امت کے لیے تھا مشورہ طلب کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ یہاں صرف خدا کا حکم واجب التعمیل ہوتا تھا۔ البتہ اس متعین شکل کے علاوہ آپ نے کبھی اپنے عزم کو شوریٰ کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ شوریٰ کی پابندی کرنے کی مثالیں سیرت میں بہت سی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کا اپنی خواہش کے علی الرغم مدینہ سے باہر نکل کر ۳ھ جنگ کرنا جو غزوۂ اُحد کے نام سے جانا جاتا ہے اور غزوۂ بدر کے موقع پر بھی آپؐ نے اپنی خواہش کے خلاف دوسروں کے مشوروں پر دوسری جگہ محاذ قائم کیا۔

آپؐ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو لیجئے یہ ان واقعات میں سے ہے جن کو امام کے اختیار مطلق کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ صلح عام رائے کے خلاف صرف پیغمبرانہ ذمہ داری کے ماتحت طے پائی، رائے عامہ بڑی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی ہر چیز سے بلند و بالا ہے جب عام لوگوں نے یعنی صحابہ کرامؓ نے اس صلح پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو حضور صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں میں اس کے خلاف کچھ نہ کروں گا مجھے یقین ہے کہ خدا میرے ثمرے کو ضائع نہیں کرے گا۔ ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ رائے عامہ کے احتجاج کو آپ نے کس لیے نظر انداز کر دیا ——— دوسرا واقعہ جیش اسامہ کا ہے جو ۱۱ھ میں پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صدیقِ اکبرؓ نے آنحضرت صلعم کی ذات کے بعد حضرت اسامہؓ کی فوج کو شام کے محاذ پر روانگی کا حکم دیا۔ حالانکہ اسلامی حکومت کا پایہ تخت مدینہ قبائل کی بغاوت کی وجہ سے سخت خطرات سے دو چار تھا اور صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ اس وقت اس فوج کو باہر نہ روانہ کیا جائے اس واقعہ سے امیر مطلق کو آمر مطلق قرار دینا تاریخ کے واقعہ کی غلط تعبیر ہوگی۔ اس معاملہ میں صدیقِ اکبرؓ نے جو کچھ بھی کہا اس میں مطلق العنانی کو ذرا بھی دخل نہیں تھا انہوں نے دیکھا کہ یہ وہ فوج ہے جس کو

محاذ پر جانے کے لیے حکم خود حضور اکرمؐ نے دیا ہے اور اس لشکر کو بھیجنا حضور اکرمؐ کی آخری وصیت اور آخری حکم پر عمل کرنا ہے اور صحابہ کے مشورہ کے مقابلہ میں پیغمبر کا حکم زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

تیسرا واقعہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا عمل جہاد ہے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد مدینہ کے اطراف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے خلاف بغاوت پھیل گئی لوگوں کا کہنا تھا کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ تحمّل سے کام لیا جائے اور مانعین زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صدیقِ اکبرؓ نے اس مشورہ کو رَد کر دیا اور انہوں نے شوریٰ کے ارکان کو یاد دلایا کہ زکوٰۃ خدا کے حکم سے واجب ہے اور خدائی احکام میں شوریٰ کو کمی و بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ہے اور اللہ نے ان کا دل جہاد کے لیے کھول دیا ہے اس بارے میں حضرت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقریر کے بعد صحابہ ان کی دلیل کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ بڑی نادانی ہوگی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے شریعت کے اصول پیش کر رہے ہوں اور اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کچھ لوگ یہ بات دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کریں کہ خلیفہ اوّل کے فیصلوں کو رد کر کے اپنے شخصی عزم پر عمل کرنے کے عادی تھے اور مطلق العنان آمر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اسلام نے جمہوریت کا جو مزاج بنایا ہے وہ آج بھی دنیا کی قوموں کے لیے نمونہ اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے آج مدتوں کے بعد دنیائے اسلام میں اسلامی نظام کو اپنانے اور غیر اسلامی نظاموں کو رد کر دینے کی خوش آئند اور خوشگوار لہر چل پڑی ہے اس لیے اسلامی نظام کے مطابق دستور سازی کے مرحلے بھی پیش آئیں گے اور دستور سازی میں یہ مسئلہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے کہ سربراہ حکومت اپنی شوریٰ کا پابند ہے یا شوریٰ کے فیصلے سے آزاد۔

یہ باتیں جو گوش گذار کی گئی ہیں امید ہے بہت سے دماغوں پر دستک دیں گی اور اہل الرائے اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں گے۔

(اسلامی قانون کے موضوع پر ایک سیمنار میں پڑھا گیا۔)

اقوالِ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

(مخزنِ اخلاق) (موسلہ: خاموش مبلغ ملتان)

- جو شخص مال کافی رکھتا ہو اس کے لیے کسب (کاروبار) کرنے سے عبادت بہتر ہے۔
- برکت کے معنی یہ ہیں کہ تھوڑے مال میں بہرہ مندی زیادہ ہو اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچے اور اعمال صالحہ کی زیادہ توفیق ہو
- مال حرام سے صدقہ خیرات دینا ناپاک کپڑا پیشاب سے دھونے والے کی مثل ہے۔
- جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام اعضاء گناہ میں پڑ جاتے ہیں
- اگر مُستجاب الدعوات بننا چاہتے ہو تو لقمہ حلال کے سوا پیٹ میں کچھ نہ ڈالو
- اگر تو اس قدر نماز پڑھے کہ پشت خم ہو جائے اور اس قدر روزے رکھے کہ بدن ہلال بن جائے، ہرگز فائدہ نہ پائے گا۔ تاوقتیکہ مالِ حرام سے پرہیز نہ کرے گا۔

جو ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے وہ سب احتیاطیں کر سکتا ہے۔

حافظ ریاض احمد ایم اے (عربی)، بہاولنگر

عربی زبان کی اہمیّت اور فضیلت

عربی زبان کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عربی زبان میں نازل فرمایا۔ روایات اس پر متفق ہیں کہ کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جو زبان جنت میں بصورتِ تعلیم الفاظ سکھائی گئی تھی وہ عربی تھی اور اسی زبان کے ذریعے وہ اپنا ما فی الضمیر ادا کرتے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین پر جتنی کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ سب عربی میں تھیں۔ ان انبیائے کرام نے ان کتابوں کا ترجمہ اپنی اپنی زبانوں میں کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں تو فرمایا گیا ہے کہ ہر نبی کو اس کی قوم کا ہم زبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ) لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ آسمانی کتابیں بھی اسی قوم کی زبان میں تھیں۔ اس قسم کی روایت سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس طرح ہر حکومت کی اپنی دفتری زبان ہوتی ہے اور اسی میں تمام فرمان واحکام جاری ہوتے ہیں بالکل اسی طرح حکومتِ الٰہیہ کی دفتری اور سرکاری زبان عربی ہے انسان کو سب سے پہلے جنت میں یہی زبان سکھائی گئی اور دنیا میں سب سے پہلے انسان نے اسی زبان کو استعمال کیا — عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی وسعت و سہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لیے فرمایا تھا کہ وہ ساری دنیا کی زبانوں کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو قرآن وسنت کے بے مثل عالم وفقیہہ اور ایک بڑی دنیا کے امام ومتبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے بھی ماہر امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "عربی زبان تمام زبانوں میں وسیع زبان ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس زبان کے پورے لغات کا احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا۔"

ابنِ درید نے "جمہرہ" میں اور خلیل نے "کتاب العین" میں جو کچھ اپنی معلومات اور یادداشت سے لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ بیس ہزار مستعمل ہیں اور باقی مہمل ومتروک۔

جوہریؒ نے صحاح کے شروع میں لکھا ہے کہ عربی ہی لغت ہے جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا اور دین و دُنیا کے علم کو اس کے ساتھ وابستہ فرما دیا اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مزید فرمایا کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ لغت عربی کا سیکھنا اور معلوم کرنا دین کی ضروریات میں داخل اور ایک فرض کفایہ ہے۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درس قرآن دینے والوں پر پابندی لگائی ہوئی تھی کہ وہ عربی لغت سے پوری طرح واقف ہوں اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ "جب تمہیں قرآن کے کسی لفظ میں اشکال پیش آئے تو اشعارِ عرب میں اس کو تلاش کرو کیونکہ عربی زبان کی تعبیر اور اس کے معانی کے تعین کے لیے اشعار عرب ہی معیار ہیں۔" اور بعض اہلِ علم نے دو شعروں میں عربی زبان کی ضرورت و

فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

حِفْظُ اللُّغَاتِ عَلَيْنَا
وَرَضٌ كَفَرْضِ الصَّلٰوةِ
فَلَيْسَ يُضْبَطُ دِيْنٌ
اِلَّا بِحِفْظِ اللُّغَاتِ

یعنی عربی کا یاد کرنا نماز کی طرح ایک فرض ہے کیونکہ کسی دین کو بغیر حفظ لغات کے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور امام ثعلبؒ نے اپنی " امالی " میں فرمایا کہ فقیہہ کو عربی لغت کے علم کی شدید ضرورت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ " المدخل الی العربیہ " میں فرماتے ہیں کہ عربی زبان امور دین میں سے ہے اور اس کا سیکھنا واجبات میں سے ہے اس لیے کہ قرآن وحدیث کا سمجھنا فرض ہے اور وہ بغیر لغتِ عربیہ کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جو چیز تحصیل واجب کا ذریعہ ہو وہ واجب ہوتی ہے (المدخل ص۱۸)

عربی زبان کی فضیلت کا اندازہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ " اَحِبُّوا الْعَرَبَ بِثَلَاثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ " کہ عرب سے تین وجہ سے محبت کرو۔ میں عربی ہوں۔ قرآن عربی میں ہے اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو طواف میں فارسی میں بات کرتے ہوئے سنا تو اس کے دونوں بازو پکڑے اور فرمایا کہ عربی زبان کی طرف راستہ تلاش کرو۔ یعنی عربی سیکھو کیونکہ اس سے مروّت میں زیادتی ہوتی ہے۔ (یعنی مکارم اخلاق اور مردانہ صفات میں زیادتی ہوتی ہے۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات جن کو حافظ ابن تیمیہؒ نے " اقتضا " میں نقل کیا ہے۔ ان سب کا مقصد عربیّت کی ترغیب اور اس کے سیکھنے کا تقاضا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے " اقتضا " میں حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ضروری ہے ہر اس شخص کے لیے جو عربی سیکھ سکتا ہو۔ عربی سیکھے اس لیے کہ یہی زبان اس قابل ہے کہ جس میں رغبت کی جائے۔ البتہ دوسری زبانوں کا سیکھنا بولنا حرام نہیں۔ (اقتضاء ص۲۰۴)

علماء و فقہا کے اقوال سے عربی زبان کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے۔ اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآن حکیم عربی میں ہے۔ اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان عربی ہے۔ رسالت مآب کی تمام تر تعلیمات ہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔

اب جبکہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں۔ عربی زبان و ادب کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے اسلامی نظام کے قیام کے لیے وہی لوگ ممد و معاون ثابت ہو سکیں گے جو اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ کا مطالعہ براہِ راست کر سکیں گے۔ اور اسلامی قانون کے اصل اور بنیادی مآخذ تک رسائی عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے بغیر

بقیہ : حضرت شیخ الہندؒ

مشاغل کے باوجود کئی ایک کتب تحریر فرمائی ہیں۔ ان سب میں سر فہرست قرآن مجید کا ترجمہ ہے یہ ترجمہ قرآن پاک مالٹا جیل میں سرانجام پایا سورۂ مائدہ تک حواشی تحریر فرمائے تھے کہ رہائی مل گئی بقیہ فوائد و حواشی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پورے کئے۔ اس ترجمہ و تفسیر کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ شاید کسی اور ترجمہ و تفسیر کو حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہی ترجمہ و تفسیر فارسی زبان میں ترجمہ ہو کر حکومت افغانستان کے اہتمام سے کابل سے شائع ہوئی (۲) تراجم ابواب بخاری، (۳) تقریر ترمذی۔ بزبان عربی۔ یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔ اور مقبول خاص و عام ہے (۴) حاشیہ ابوداؤد شریف (۵) حاشیہ مختصر المعانی (عربی) (۶) ایضاح الادلہ (۷) احسن القریٰ، شرح اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ (۸) جہد المقل فی تزیہہ المعزو المزل (۹) ادلہ کاملہ (۱۰) افادات محمود (۱۱) کلیات شیخ الہندؒ)

جہادِ فی سبیل اللہ

یرموک کے محاذ پر اسلامی افواج کے سالار اعظم کی تقریر

تاریخ کے ایک خاص مرحلہ پر صحابہ کرام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ ہمارے لیے کس قسم کی جنگ خوش آئند ہے اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے تین بار ایک ہی نعرہ بلند فرمایا تھا " جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! " یعنی وہ جنگ جو خدا کی راہ میں اور خدائے واحد کے لیے لڑی جائے۔

یہ اسی فرمان کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے جب دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے دلوں میں خدا کی حکومت کے علاوہ اور کسی قسم کی حکومت کا کوئی نظریہ کوئی تصور اور کوئی مسلک نہ تھا۔

یرموک کا محاذ اسلامی تاریخ میں غیر معمولی طور پر اہم سمجھا گیا ہے اس محاذ کی اعلیٰ کمان حضرت خالدؓ بن ولید کے طاقت ور ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے سپہ سالار اعظم کی حیثیت سے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں یہی تصور کار فرما تھا۔

ہم اس تاریخی تقریر کو یہاں درج کرتے ہیں تاکہ اس سے مسلمانوں کے طریقۂ جنگ اور مقصد جنگ کا اندازہ کیا جا سکے۔

خالدِ اعظم کی عسکری تقریر

" آج کا دن تاریخ کا یادگار دن ہے آج شرافت کے غرور اور اونچی ذات کے تصوّر سے بلند ہو کر صرف اللہ کے لیے میدان جہاد میں آنے کی ضرورت ہے دشمن تربیت یافتہ ہے۔ منظم ہے۔ حملہ کے لیے آمادہ ہے آج کسی طرح یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم منتشر صورت میں جنگ کریں۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہماری فوجیں اپنے اپنے کمانڈر کے ماتحت علیحدہ علیحدہ جنگ نہ کریں بلکہ سب ایک کمانڈر انچیف کے ماتحت ہو کر میدانِ جہاد میں جوہر دکھائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں آئے گا نہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کسی کا درجہ کم ہوگا۔"

" روم کا لشکر ہمارے خلاف حملہ کرنے کے لیے تیار ہے اگر ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر ان کو دبائے چلے جائیں گے اور اگر خدانخواستہ انہوں نے ہمیں شکست دے دی تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ آج میں تمام فوج کی کمان آپ سب کی مرضی سے اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں، آپ روزانہ دوسرا امیر الافواج بھی مقرر کر سکتے ہیں۔"

کمانڈروں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تجویز منظور کر لی، چار فوجیں جو چار کمانڈروں کے ماتحت تھیں ایک فوج کی صورت میں منظم ہو گئیں۔ کل فوج اڑتیس ۳۸ ڈویژنوں پر تقسیم کی گئی۔ اٹھارہ دستے مرکزی محاذ پر مقرر کئے گئے اور حضرت ابوعبیدہؓ ان کے کمانڈر مقرر ہوئے۔ دس دستے دائیں بازو پر اور دس بائیں بازو پر، حضرت ابوسفیانؓ نے ہر ڈویژن کے سامنے تقریر کی۔ اللہ اللہ! تم جوانانِ عرب اور حامیانِ اسلام ہو۔ اور وہ روم کے سپاہی اور کفر کے مددگار ہیں۔ یا اللہ آج کا دن یادگار دن ہے تو اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔" جنگ شروع ہوئی اور آخر کار مسلمان فوج اپنے سے پانچ گنا زیادہ لشکر پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور تاریخ کے ہاتھ میں ایک واقعہ آ گیا۔

التماس
خط و کتابت اور برائے اشاعت مضمون کاغذ کے ایک طرف اور صاف ستھرا لکھا کریں۔

طبّی مشورے

براہ راست جواب کے خواہش مند حضرات جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور

سب نسخے جھوٹے نکلے

س: رسالہ خدام الدین ۲۴ر اگست نظروں سے گذرا جس میں طبی مشورے بھی شامل تھے۔ انہیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مَیں یہاں جامع مسجد غوثیہ میں پیش امام ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یونانی حکمت کی قدرے معلومات رکھتا ہوں اور علاج معالجہ سے کسب معاش کرتا ہوں آج تک کافی حکیموں اور سنیاسیوں کی بہت خدمت کی۔ لیکن آج تک کسی نے صحیح نسخہ نہیں بتایا۔ جتنے نسخے ملے سب جھوٹے نکلے اب خدام الدین پڑھ کر آرزو ہوئی کہ آپ سے فیض حاصل کروں۔ امید ہے آپ جھوٹ نہیں بولیں گے اور ذیابیطس شکری، برص، دمہ، درد گردہ، خشک کھانسی اور خارش کے لئے مجرب اور تیر بہدف نسخے بھیجیں گے۔

(نام پتہ شائع نہیں کیا جا رہا)

ج: محترم حافظ صاحب! آپ کو حکیموں اور سنیاسیوں کی خدمت کے بدلے جھوٹے نسخے ملے۔ ایسا گمان نہ کریں۔ نسخے تو ٹھیک ہی ہوں گے لیکن ان کا محل استعمال ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ہر مرض کے لاتعداد نسخے طب یونانی کی کتابوں میں مل سکتے ہیں لیکن مریضوں کا علاج صرف نسخوں سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے معالج کا طبّی تعلیم، عملی مطب، غور وفکر اور تجربات و مشاہدات سے گذرنا ضروری ہوتا ہے۔ یوں بھی پاکستان میں طبی قانون کی رُو سے رجسٹرڈ طبیبوں کے سوا کسی فرد کو علاج معالجہ کی اجازت نہیں اور اسلامی شریعت اور اخلاقی دستور بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

خدام الدین کے طبّی مشورے مریضوں کے تحریر کردہ حالات کی روشنی میں دئے جاتے ہیں اور پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر مشورے کے نتیجے میں مریض ضرور صحتیاب ہو جائے۔ کیونکہ شفا منجانب اللہ ہے۔ لہٰذا بندہ آپ کے حکم کی تعمیل سے معذور ہے۔ تاکہ میرا نام بھی جھوٹوں میں شامل نہ ہو جائے۔ (حکیم آزاد شیرازی)

داد

س: تین ماہ سے میرے ماتھے پر داد نکلا ہے جو ناک سے لے کر ماتھے تک لکیر کی صورت میں ہے نیز دائیں کان پر بھی ہے۔ ولروز اور دوسری بے شمار دوائیں لگائی ہیں لیکن فرق نہیں پڑا۔ علاج بتائیں۔ (محمد عبدالواحد)

ج: برگ مہندی اور گندھک باریک پیس کر ملالیں اور پانی میں حل کر کے گاڑھا لیپ تیار کر کے داد پر لگایا کریں۔ انشاء اللہ

بقیہ: حضرت لاہوریؒ نے فرمایا:

ہوتی تو فرماتے ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا یہ ہے اللہ کے پاک نام کی برکت سے پیدا شدہ جرأت جو نفقط کتابوں کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی اور یہ ہے اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی باطنی برکت جو کاملین کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ اللھم وفقنا لما تحبّ وترضیٰ۔

بچوں کا صفحہ

فضول خرچی — مستقبل کی تباہی

چوہدری افضل حق کا پیغام — نونہالانِ وطن کے نام

معروف بی بی! السلام و علیکم

بیٹی! تمہارے متعلق بلقیس کا شکایتی خط آیا۔ دیکھو بی بی! زبان کا چسکہ نہ صحت چھوڑتا ہے نہ عزت نہ دولت زبان انسان کو پیٹ کا بندہ بنا دیتی ہے کسی مرچ، مصالحہ دار چیز کو دیکھا بس رال ٹپک پڑی۔ چیز کسی کی ہو مگر اٹھا کر منہ میں ڈال لینے کو جی چاہتا ہے۔ چٹ پٹی چیزوں کا دلدادہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے تنگ دست ہو تو مانگ کر یا ادھار لے کر زبان کا مزہ لے گا۔ کئی سال ہوئے جب میں انبالہ جیل میں قید تھا تو جو کمزور قیدی تھے ان کو دودھ کا دلیا بنا کر دیتے تھے۔ مَیں نے اچھے بھلے آدمیوں کی عقل ماری ہوئی دیکھی کہ ناحق دلیا کھانے کے لیے تقسیم کرنے والوں کی خوشامد اور منت کر کے ان سے لیتے اور جیل میں چٹخارے بھرتے پھرتے کہ واہ خوب دلیا تھا۔

زبان کی لذّت کی ماری اچھے گھرانوں کی بعض عورتوں دیکھا ہے کہ گلی سے کوئی آلو چنے مزے دار کی ہانک لگا کر خوانچہ بردار گزرنے لگا تو یہ بیبیاں جیب ٹٹولتی بھاگیں کہ بھیّا دو پیسے کے دے جاؤ۔ پھر کسی نے ملائی برف کی آواز دی تو یہ لپکیں۔ ملائی برف اڑائی اور پھر امرود والا پہنچا اس نے جو مرچ مسالہ ڈال کر ڈونا اچھالا تو چسکے کی ماری عورتیں بے تاب ہو ہو گئیں۔

یہ کون لوگ ہوتے ہیں، وہی جنہوں نے بچپن سے اپنی طبیعت پر قابو نہ پایا ہو۔ جن بچوں کے دانتوں کی چکی ہر وقت چلتی رہے ان کا معدہ ضرور خراب ہو جائے گا جن کا معدہ خراب ہُوا پھر بیماریاں سہیلیاں بن جاتی ہیں کوئی گھڑی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ علاوہ ازیں گاڑھے پسینے کی کمائی فضول چسکوں میں اڑ جاتی ہے جس کو یہ عادت پڑ جائے وہ ساتھیوں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ ہر وقت کھانے والا کم عقل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کی ساری قوتیں تو کھانا ہضم کرنے میں لگی رہتی ہیں۔ سوچ بچار عقل فہم کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔

تم تو اچھی بچی ہو تمہاری کوئی شکایت نہ آنی چاہیے البتہ ضیاء الحق شریر لڑکا ہے۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی کام بگاڑتا ہے، کوّے کی طرح گھات میں لگا رہتا ہے کہ آنکھ بچے اور یہ کوئی شرارت کر پائے۔ دیکھو — ! (ضیاء الحق)! شرارتیں نہ کیا کرو ورنہ ۲ کانوں میں سر ہو جائے گا، کان کھینچ کھینچ کر ہاتھی کے کانوں کی طرح بڑے بڑے کر دیے جائیں گے۔ تمہیں دیکھ کر پھر سب کہیں گے ہاتھی آیا۔ دیکھو، بھیّا! کان بڑے تو ہو سکتے ہیں چھوٹے ہم سے نہ ہوسکیں گے، تم لاکھ منّتیں کرنا کہ میرے کان چھوٹے کر دو مگر یہ بڑے ہی رہیں گے۔

دیکھو بیٹا! جو بچّے بچپن میں خوب پڑھتے، علم و ہنر حاصل کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر عزت اور آرام پاتے ہیں، جو بچپن میں بے پروائی کریں وہ عمر بھر اپنے نصیبے کو روتے ہیں۔ کبھی ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں، کبھی ماتھا کوٹتے ہیں۔ بچپن کی بے فکری کا زمانہ لوٹ کر نہیں آتا جو اس زمانے میں لکھا پڑھا جاتا ہے وہ عمر بھر نہیں بھولتا، جوان بوڑھے ہو کر کوئی بہت اچھی قسمت والا ہی علم حاصل کرتا ہے ورنہ بوڑھا طوطا سر کھپائے پر بھی میاں مٹھو ہی رہتا ہے۔

مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ آپ لوگوں کا خط بھی پندرہ روز کے بعد ہی آتا ہے۔ کم از کم ہفتہ میں ایک دفعہ خط آئے تو بہتر ہے۔

سب بچوں کو پیار۔